چوہدری محمد اسماعیل

مسئلہ سُود

ایک تجزیہ

عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ مذہبی کتابوں میں صرف قرآن مجید نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں سود کو بائیبل میں بھی حرام کہا گیا تھا۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں کے دل سے اب یہ تعلیم محو ہو چکی ہے۔ برعکس اس کے اہل اسلام کے دل میں کسی نہ کسی رنگ میں ابھی تک سود کی حرمت کا خیال جاگزیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں بڑی سختی سے اس کی مناہی کی گئی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد چونکہ علمائے اسلام اور اکثر مسلمان اس بات کے متمنی ہیں کہ وطن عزیز میں اسلامی معاشیات قائم ہو اور معاشیات میں مسئلہ سود چونکہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے قیام پاکستان کے بعد اس مسئلہ کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس مسئلہ پر کتب اور اخبارات ورسائل میں کچھ مضامین میری نگاہ سے بھی گزرے ہیں جن کا میں نے غور سے مطالعہ کیا ہے۔ بقول مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی "ہمارے معاشرے میں جو مسئلہ انتہائی پیچیدہ ہے وہ تجارتی سود کا مسئلہ ہے اور یہی وہ سوال ہے جو عرصہ سے زیر غور و بحث چلا آرہا ہے لیکن ابھی تک اس کے متعلق متفق علیہ اور تسلی بخش فتوے سامنے نہیں آیا اور مسلمانوں کی اکثریت ہنوز تذبذب کی تیرہ و تاریک وادی میں بھٹک رہی ہے۔ آیئے ہم اس پر دلائل کی روشنی میں غور کریں"۔

مروّجہ نظام معاشیات کی مثال

اگر ہم ہاتھی کو سامنے سے دیکھیں تو ہمیں الٹا لٹکا ہوا اژدھا سا دکھائی دے گا۔ اور پشت کی طرف سے دیکھیں تو دو ستونوں پر ایک محراب اور ایک موٹا سا رسہ لٹکتا ہوا نظر آئے گا۔ اور اگر پہلو سے دیکھیں تو چار ستونوں پر ایک دیوار سی نظر آئے گی۔ ہاتھی کا صحیح علم ہمیں تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم اس کے گرد گھوم کر اس کے ہر پہلو کا نقشہ ایک ساتھ اپنے ذہن میں اخذ کر لیں۔ عین یہی مثال ہمارے گرد و پیش کے معاشی نظام کی ہے۔ اس کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے سے کہیں کسی کو ملوکہ اراضی سے حصول بٹائی جائز نظر آتی ہے۔ تو مر ہونہ زمین سے بٹائی میں سود دکھائی دیتا

ہے۔ کہیں ہم جنس اشیاء کے تبادلے میں تفاضل کو سود سمجھا جاتا ہے تو غیر جنس اشیاء کے تبادلہ میں تفاضل کو نفع اور فضل ربّی تصور کیا جاتا ہے۔ کہیں اصول مضاربت کے ماتحت حاصل شدہ منافع جائز اور کہیں بنکنگ سے حاصل شدہ منافع حرام حالانکہ وہ بھی مضاربت ہی کی دوسری شکل ہے۔ کہیں کوئی نقد اور ادھار قیمتوں کے فرق کو سود اور حرام سمجھتا ہے تو نقد قیمت کو خواہ وہ ادھار قیمت سے بھی زیادہ ہو منافع خیال کر کے حلال و طیب قرار دیتا ہے۔ کوئی صاحب کسی چیز دکان یا مکان کا کرایہ ایک لحاظ سے تعین کرنے اور دوسرے لحاظ سے تعین کرنے کو خواہ وہ پہلی صورت سے بھی زیادہ ہو جائز تصور کرتے ہیں۔ کہیں سود کو کمرشل انٹرسٹ (تجارتی سود) بنا کر جائز اور کہیں صرفی اور حاجتمندانہ قرار دے کر حرام کہہ دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ ہاتھی کی طرح اس نظام معاشیات کو مختلف اطراف سے دیکھنے سے اس کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں اور حرام حلال جیسی اہم چیز کا فیصلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک کے نظریہ کے مطابق ایک آدمی حلال نوش فرما رہا ہے تو دوسرے کے نظریہ میں وہ حرام کھا رہا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس نظام معاشیات کو شش جہت سے بخوبی دیکھ کر اس کا مکمل نقشہ بیک وقت ذہن میں لایا جائے تاکہ حقیقت حال کا پتہ چل سکے۔ اور معلوم ہو سکے کہ سود کی حقیقت کیا ہے اور ہمارا نظام معاشیات اسلامی اصول پر مبنی ہے یا اس میں غیر اسلامی اصول اور روح کارفرما ہے۔

مروجہ نظام معاشیات کے مختلف پہلو

۱۔ پہلے شعبۂ زراعت کو دیکھیے۔ جس آدمی کے پاس خود کاشت کی حد سے زیادہ جتنی بھی زمین ہوتی ہے وہ کسی کو لگان یا بٹائی پر دے دیتا ہے۔ اور پیشگی، بالاقساط یا فصل کے اختتام پر نقد یا اجناس کی صورت میں وصول کر لیتا ہے۔ مالک زمین اسی طرح لامتناہی طور پر بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی حاصل کرتا رہتا ہے۔ خواہ اس کی بٹائی یا کرایہ سے حاصل شدہ آمدنی کا مجموعہ زمین کی قیمت سے کئی گنا بڑھ جائے اور زمین کی ملکیت کا حقدار بھی وہی فرد یا خاندان رہتا ہے۔ یہ اس معاشی نظام کا دستور ہے۔

۲۔ شعبۂ زراعت سے آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی آدمی جس کے پاس وافر دولت ہوتی ہے۔ مکان، دکانات یا دیگر قسم کی جائیداد پیدا کر لیتا ہے یا خرید کر کرایہ پر چڑھا دیتا ہے۔ جائیداد کی مرمت۔ گھائی۔ بیمہ۔ ٹیکس۔ اور انتظامی اخراجات نکال کر لاگت پر پانچ دس فی صد یا کم و

بیش رقم بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی سے اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ رقم ماہ بماہ ملتی رہتی ہے اور اس جائیداد کی اصل لاگت سے کئی گنا بڑھ سکتی ہے۔

۳۔ اسی طرح ایک اور طبقہ کے لوگ اکاؤنٹنٹ یا کمپنی بن کر اپنی فالتو دولت سے گوناگوں اشیاء اور اجناس خرید کر بڑے بڑے گودام اور دکانیں بھر لیتے ہیں۔ اور پھر حاجتمندوں کے ہاتھ سوائے ڈیوڑھے یا جس قدر بھی ہو سکے زیادہ داموں پر فروخت کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے حق المحنت سے تجاوز کر کے محض اپنے سرمائے کے بل بوتے پر کافی غیر مکتسب کمائی حاصل کر لیتے ہیں۔ جس کو منافع کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اول تو منافع کا لفظ ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ غیر مکتسب کمائی ہوتی ہے اور محض سرمائے کی طاقت سے حاصل کی جاتی ہے۔ پھر اگر معمولی سا تجزیہ کیے کے دیکھا جائے تو حقیقت حال بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کا ایک لاکھ روپیہ تجارت پر لگا ہوا ہے۔ اور اس کو کاروبار کے تمام اخراجات نکال کر دس فی صدی سالانہ یعنی دس ہزار روپے خالص منافع ہو جاتا ہے اب فرض کیجیے کہ وہ تاجر دو سو روپے ماہوار تنخواہ پر ایک ہوشیار منیجر مقرر کر کے کاروبار اس کے حوالے کر دیتا ہے اور آپ فارغ ہو جاتا ہے۔ منیجر مالک کی طرح ہی کاروبار کا تمام بوجھ اٹھا لیتا ہے اور تمام قسم کے اخراجات کاروبار نکال کر بدستور سابق دس ہزار روپے خالص منافع ہو جاتا ہے۔ اس میں سے دو سو روپے ماہوار کے حساب سے ۲۴۰۰ روپے منیجر کی تنخواہ نکال کر باقی ۷۶۰۰ روپے مالک سرمایہ کے حصے میں آجاتے ہیں۔ جس میں اس کی محنت کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے۔ اور محض اس کے سرمایہ کا معاوضہ ہے۔ جو اس کے سرمایہ پر بلا محنت و مشقت اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔

۴۔ اب اس نظام معاشیات کا صنعتی پہلو بھی نظارہ کر کے دیکھ لیجیے۔ جس طرح دولت سے مزید دولت پیدا کرنے کے لیے تجارت میں زیادہ روپیہ لگایا جاتا ہے اسی طرح صنعت میں بھی روپیہ لگا دیا جاتا ہے۔ اس روپے سے منیجر، انجینئر، کاریگر، مزدور، مشینری اور خام مواد سب کچھ خرید کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح اجتماعی علم و ہنر عقل و فکر اور محنت و مشقت سے ایک کارخانہ چالو ہو جاتا ہے۔ فرض کیجیے کہ اس کارخانے میں دو سو آدمی کام کرتے ہیں۔ اور ان کی اجتماعی کارکردگی کی برکت سے کارخانہ کے سب اخراجات نکال کر ۱۲۰۰ روپے یومیہ حاصل ہوتے ہیں۔ اگر اوسطاً چار روپے فی کس کے حساب سے دو سو آدمیوں کو ۸۰۰ روپے ان کی اجرت کا صلہ دے

دیا جائے تو چار سو روپے مالک کو یومیہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ مالک کو دیگر کارکنوں کے مقابلے میں یہ سو گنا زیادہ آمدنی ظاہر ہے کہ اس کی محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ محض سرمائے کی مقناطیسی قوت سے دوسروں کی کمائی میں سے کھچی ہوئی دولت اس کے پاس چلی آتی ہے۔

اس نظام معاشیات کو ایک اور پہلو سے بھی معائنہ کر لیجیے۔ اس طرف کچھ لوگ ایک عالیشان عمارت میں اپنا اپنا روپیہ جمع کر لیتے ہیں۔ اور اس کا تمام بنک رکھ دیتے ہیں۔ کئی دوسرے لوگ جن کے پاس وافر روپیہ ہوتا ہے کم شرح منافع پر اپنا روپیہ بنک والوں کو دے دیتے ہیں۔ بنک والے اپنا جمع شدہ روپیہ اور دوسرے لوگوں سے حاصل کردہ روپیہ آگے مختلف تجارتی، صنعتی اور زراعتی کمپنیوں اور اداروں کو زیادہ شرح منافع پر قرض دے دیتے ہیں۔

بنک میں روپے کے لین دین کا حساب رکھنے کے لیے اوروں کی طرح انہوں نے بھی بابو رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی تنخواہیں اور دیگر اخراجات ادا کر کے بنکوں کے مالکوں کو اربوں روپے پر لاکھوں اور کروڑوں روپے بلا محنت و مشقت منافع ہو جاتا ہے۔ جو ان کی دولت میں دن دگنی اور رات چوگنی برکت کا باعث ہوتا ہے۔

۶۔ کچھ لوگ جن کے پاس وافر دولت ہوتی ہے نہ خود کام کرتے ہیں نہ بنک میں رکھتے ہیں بلکہ کسی تجارتی یا صنعتی کمپنی کے حصے خرید کر اس کے کاروبار میں بطور بے کار حصے دار (SLEEPING PARTNER) شریک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اس کمپنی کے منافع میں سے بقدر حصص ان کو بلا محنت و مشقت منافع حاصل ہو جاتا ہے۔ اس طریق کار کو اصطلاح میں مضاربت یعنی شراکت کہا جاتا ہے۔ بنک سے حاصل شدہ منافع اور مضاربت سے حاصل شدہ منافع میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ بنکنگ میں منافع حاصل ہونے سے پہلے شرح منافع مقرر کر لی جاتی ہے اور مضاربت میں منافع حاصل ہونے کے بعد شرح منافع کا تعین کیا جاتا ہے۔

مروجہ معاشی نظام کا اصول

مروجہ معاشی نظام کے گرد ہم نے گھوم کر دیکھا لیا۔ اب اس کا مجموعی نقشہ ذہن میں لائیے کیا صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ اس بحر معاشیات میں ہر طرف دبا ئی خوری، کرایہ خوری، منافع خوری سود خوری یعنی غیر مکتسب دولت خوری، یا یوں کہیے کہ بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی خوری کی یکساں لہریں چل رہی ہیں؟ اور کیا بالوضاحت پتہ نہیں لگتا کہ اس قالب اقتصادیات میں ایک ہی روح

موجزن ہے اور ایک ہی رجحان اور ایک ہی جذبۂ دروں عملاً کام کرتا ہے۔ اور ایک ہی اصول کارفرما ہے؟ اس غیر مکتسب کمائی کا نام خواہ کچھ رکھ لیجیے۔ اس کو بٹائی کہہ لیجیے یا کرایہ۔ منافع کے نام سے پکاریے یا مائدۃ من السماء کہیے۔ سود کا نام دیجیے یا انٹرسٹ کہہ لیجیے۔ اس کی کیفیت و ماہیت اور فطری خاصیت میں سرِ مو فرق نہیں پڑتا۔ غیر مکتسب کمائی جو بلا محنت و مشقت محض سرمائے کے بل بوتے پر دوسروں کی کمائی میں سے حاصل کی جاتی ہے اگر ایک جگہ حلال ہے تو دیگر سب جگہ بھی حلال ہی تسلیم کرنا پڑے گی۔ اور اگر ایک جگہ حرام ہے تو بلاشبہ دیگر سب جگہ حرام ہی قرار دینا پڑے گی۔ مسئلہ سود کے سمجھنے میں الجھن کا یہی باعث ہے کہ کہیں اس کمائی کا کچھ نام رکھ کر حرام سمجھا گیا ہے اور کہیں کسی اور نام سے موسوم کر کے اس کو حلال قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں ایک ہی شے ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ہمارے اقتصادی نظام کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں ایک ہی اصول کام کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ روپیہ لگاؤ اور بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی سے استفادہ کرو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی جائز یا ناجائز طریق سے سرمایہ جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے زمین و مکان خرید کر، تجارت میں لگا کر، کارخانہ بنا کر، کمپنی کے حصص خرید کر یا بنک میں جمع کر کے بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی سے فائدہ اٹھائے۔

کسی ایک پہلو سے اصول ختم نہیں ہو سکتا

اس معاشی نظام میں اگر اس غیر مکتسب کمائی کا حصول ایک شعبہ میں بند کر دیا جائے تو وہ شعبہ مفلوج ہو جائے گا۔ اور معاشی نظام کو ناقابل برداشت دھکا لگے گا۔ مثلاً ہم زمینداری میں حصول بٹائی اور لگان بند کر دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام لوگ جن کا اس شعبہ میں روپیہ لگا ہوا ہے فوراً اپنا سرمایہ کھینچ کر دوسرے شعبوں میں لگانے کی کوشش کریں گے۔ جس سے ملک کی زرعی پیداوار فوراً گر جائے گی۔ اور اکثر لوگ فاقوں مر جائیں گے۔ اگر ہم تجارت یا صنعت میں حصول منافع کو بند کر دیں تو تجارت یا صنعت کا کام بند ہو کر ملک کی معیشت تباہ ہو جائے گی۔ اسی طرح سے اگر ہم بنکوں کا سود بند کر دیں تو تجارت و صنعت اور زراعت کے اکثر کام ٹھپ ہو جائیں گے اور ضروریات زندگی کا حصول محال ہو جائے گا۔

غرضیکہ اس نظام میں ایک ہی اصول کارفرما ہے۔ اگر یہ نظام قائم رہے گا تو تمام کا تمام

اور اگر بدلے گا تو تمام کا تمام۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نفع حلال اور سود حرام۔ یا ربح حلال اور ربوٰ حرام۔ یا تو اس میں سب قسم کی غیر مکتسب کمائی کے حصول کا رواج قائم رہے گا اور یا کسی حکمت عملی سے اسے بتدریج ختم کرنا ہوگا۔ اور اس کی جگہ بہتر اصول پر بہتر نظام قائم کرنا ہوگا۔

مسئلہ سود کے بارے میں علماء کا اختلاف

مروجہ نظام معاشیات کا جائزہ لینے اور اس میں جو اصول کام کر رہا ہے اس کو سمجھنے کے بعد اس امر کی ضرورت ہے کہ مسئلہ سود کے بارے میں علمائے کرام کے خیالات اور ان کے مابین اختلاف کو معلوم کیا جائے۔ علماء کے دو گروہ ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اختلاف یہ ہے کہ ایک گروہ کے نزدیک مروجہ تجارتی سود (بنکوں، کمپنیوں اور حکومتوں کا سود) جائز ہے۔ ان کے نزدیک الربوٰ (سود) جس کو قرآن پاک نے حرام کیا ہے اس کا اطلاق تجارتی سود پر نہیں بلکہ صرف اس سود پر ہوتا ہے جو ناداروں اور حاجت مندوں سے لیا جاتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ آج کل کا تجارتی سود دینے والے مفلس و نادار نہیں ہوتے بلکہ بڑے بڑے تاجر، کمپنیاں، حکومتیں اور ادارے ہوتے ہیں جو نفع کمانے کی غرض سے قرض لیتے ہیں۔ اور عام طور پر ان کا نفع اس شرح سود سے جو وہ دیتے ہیں کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

علماء کے دوسرے گروہ کے نزدیک سود خواہ تجارتی یعنی کمپنیوں اور حکومتوں کا ہو یا حاجتمندانہ ہو سب پر الربوٰ کا اطلاق ہوتا ہے اور سب یکساں طور پر حرام ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے مروجہ نظام معاشیات کے ہر شعبہ میں ایک ہی اصول کارفرما ہے اور کسی ایک شعبہ میں سے غیر مکتسب کمائی کے حصول کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اول الذکر مروجہ نظام معاشیات کے تسلط سے مجبور ہونے کی وجہ سے چونکہ اس نظام معاشیات سے تجارتی سود کو ختم نہیں کر سکتے لہٰذا انہوں نے اس تجارتی سود کو حلال کرنے کی ایک تجویز ڈھونڈ نکالی ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ بنک اور کمپنیاں اپنا سرمایہ مقررہ شرح سود پر چلانے کی بجائے مضاربت کے اصول پر تجارتی کاروبار میں، صنعتی سکیموں میں، زراعتی کاموں میں اور پبلک اداروں اور حکومت کے نفع آور کاموں میں لگائیں پھر جو منافع ان ذرائع سے بنکوں کو حاصل ہو ان کو وہ اپنے انتظامی مصارف نکالنے کے بعد ایک مقررہ تناسب کے مطابق اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں میں تقسیم کر دیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس صورت میں چونکہ نفع کا امکان غیر معین اور غیر محدود ہوگا اس لیے عام شرح سود کی بہ نسبت

کم نفع حاصل ہونے کا جس قدر امکان ہوگا اسی قدر اچھا خاصا زیادہ نفع ملنے کا امکان بھی ہوگا۔ اس بات کا مطلب یہ ہوا کہ موجودہ بنک تو مقررہ شرح سود پر روپیہ لیتے دیتے ہیں اور مجوزہ اسلامی بنک منافع پر روپیہ کا لین دین کریں گے جس کی شرح منافع حاصل ہونے پر مقرر ہوگی۔ ان علماء کا خیال ہے کہ اسلام کی مشینری اس طریق سے بنکوں کے حرام سود کو منافع بنا کر حلال کر دیتی ہے۔

یہ بات قطعی ہے کہ علمائے اسلام کے دونوں گروہ حاجت مندوں اور ناداروں سے سود لینے کو قطعی حرام سمجھتے ہیں اور اس میں حرم الربوٰ (سود کو حرام کیا ہے) کا اطلاق کرنے میں متفق ہیں۔

تجارتی سود اور مضاربتی منافع کی حیثیت اور منبع

نظام معاشیات کا تجارتی سود اور مضاربتی منافع کے پہلوؤں سے نظارہ کرنے سے بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ سود اور منافع دینے والے بڑے بڑے تاجر، کمپنیاں، بنک، حکومتیں اور ادارے ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہے جو پس پردہ اور آنکھوں سے اوجھل ہے۔ آیئے ہم علمائے گروہ اول کے تجارتی سود اور علمائے گروہ دوم کے مضاربتی منافع کی حقیقت پیداوری کا منبع اور کیفیت و ماہیت معلوم کرنے کی کوشش کریں اور دیکھیں کہ آیا وہ یعنی تجارتی سود اور مضاربتی منافع الربوٰ (سود) ہی کی مختلف صورتیں ہیں یا واقعی اور شے ہے۔

حکومتیں، بنک، کمپنیاں اور ادارے اگر اربوں روپوں پر کروڑوں روپے سود اور منافع اپنے خزانوں اور تجوریوں سے دیتے چلے جائیں تو کیا جلد ہی ان کا سرمایہ سود کی نذر ہو کر ان کا دیوالہ نہیں نکل جائے گا؟ کیا ان کے قیام اور خوش حالی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ زرِ سود اور منافع اپنے پلے سے نہیں بلکہ کسی اور جگہ سے حاصل کر کے دیتے ہیں۔ وہ جگہ کونسی ہے اور وہ منبع کہاں ہے جہاں سے زرِ سود اور منافع کے چشمے ابلتے ہیں؟ خوش قسمتی سے ہمیں ان علمائے کرام کے اپنے قول سے ہی ان چشموں کا سراغ مل جاتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ آج کل تجارتی سود دینے والے بڑے بڑے تاجر، کمپنیاں، حکومتیں اور ادارے ہوتے ہیں۔ جو نفع کمانے کی غرض سے قرض لیتے ہیں اور عام طور پر ان کا نفع اس شرح سود سے جو وہ دیتے ہیں کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ کیا اس سے صاف عیاں نہیں ہوتا کہ کمپنیاں، حکومتیں اور بنک وغیرہ اپنے پلے سے نہیں بلکہ اس نفع میں سے دیتے ہیں جو وہ کماتے ہیں؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نفع جس میں سے بنک، کمپنیاں اور حکومتیں لوگوں کو منافع یا

سود ادا کرتی ہیں کہاں سے اور کس طرح ان کے ہاتھ آتا ہے ؟

اب ہم شروع سے لے کر آخر تک دریائے دولت کی گذرگاہ کا معائنہ کریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ چشمے کہاں ہیں جو سود اور منافع کے آب زر سے دریائے دولت کو سیراب کرتے ہیں۔

کچھ سرمایہ دار لوگ مل کر اپنی دولت ایک جگہ اکٹھی کرتے ہیں جس کو وہ بنک یا کمپنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ادھر اُدھر سے مختلف لوگ کچھ حفاظت اور کچھ منافع (سود) حاصل کرنے کی غرض سے بمد چلت حساب۔ بچت حساب یا بمد امانت۔ بیمہ یا قرض اس بنک یا کمپنی میں اپنا روپیہ جمع کر دیتے ہیں۔ اس جگہ اس جمع شدہ سرمایہ میں کوئی منافع یا سود شامل نہیں ہوتا۔ یہاں سے یہ روپیہ آگے چلتا ہے اور مختلف صنعتی، تجارتی یا زراعتی اداروں یا حکومتوں کو بطور قرض دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی کوئی نفع یا سود شامل نہیں ہوتا۔ پھر یہ سرمایہ اور آگے چلتا ہے اور اس کے عوض مشین اخام مواد وغیرہ خرید کر لیا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس منزل تک بھی کوئی منافع یا سود اس میں شامل نہیں ہوتا اب یہ زمین اگر پڑی رہے تو بے کار، اگر مشین اور خام مواد پڑا رہے تو زنگ آلودہ ہو کر اور گل سڑ کر ختم ہو جائے۔ اس طرح اس میں ایک پائی کا بھی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اب ضرورت پڑتی ہے انسانی قوت اور محنت کی۔ اس زمین، مشین اور خام مواد میں صرف قوت مفعولی ہی ہوتی ہے۔ قوت فاعلی صرف انسانی دست و بازو ہی میں ہے اور اگر یہ اپنا جوہر نہ دکھائے تو سارا کھیل ختم ہو جائے دیانت کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فاعلی قوت یعنی انسانی محنت کرنے کی طاقت مفلس و نادار حاجتمند محنت کار سے دست یاب ہو سکتی ہے جس کے پاس کام کرنے اور روزی کمانے کا کوئی وسیلہ نہیں ہوتا۔ اس کے پاس نہ کوئی جگہ ہوتی ہے نہ زمین، نہ مشین ہوتی ہے نہ خام مواد۔ اس کے پاس صرف وہ قوت محنت ہی ہوتی ہے جس کو وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے برائے فروخت بازار میں لیے پھرتا ہے۔ مذکورہ بالا صنعتی اور تجارتی ادارے ایسے بے شمار نادار اور حاجت مندوں سے قوت محنت خرید کر اپنی زمین، مشین اور خام مواد وغیرہ پر لگا دیتے ہیں۔ اور یہ قوت محنت رنگا رنگ اور گوناگوں اشیاء تیار کر دیتی ہے۔

غور کا مقام ہے کہ وہ سرمایہ جو لوگوں کے گھروں سے نکل کر بنکوں اور کمپنیوں میں جمع ہوا تھا۔ مختلف اشیاء کی تیاری کے لیے بتدریج نادار حاجتمند کے ہاتھوں تک پہنچتا ہے۔ یہاں تک بھی اس میں کسی قسم کے منافع یا سود کی شمولیت نہیں ہوتی۔ اب حاجتمندوں اور ناداروں کی اجتماعی قوت محنت

سے مختلف اشیاء تیار ہو جاتی ہیں۔ جب وہ اشیاء فروخت کر دی جاتی ہیں تو اس سرمائے کی قیمت سے جو ان اشیاء کی تیاری پر خرچ ہوا تھا بہت زیادہ قیمت وصول ہوتی ہے۔ اور اس مقام پر اس سرمائے میں معقول اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ اضافہ یا منافع کیا ہے؟ کیا یہ حاجتمندوں اور ناداروں کی محنت نہیں جو اشیاء میں پیوست ہو کر روپے کی صورت میں منتقل ہو گئی ہے؟ یہ بڑھوتری اس کو خواہ سود کہیئے یا منافع پہلے ان صنعتی یا تجارتی اداروں کے ہاتھ میں جاتا ہے جنہوں نے مختلف بنکوں اور کمپنیوں سے قرض لیا ہے اور پھر قرض خواہ بنکوں اور کمپنیوں میں جاتا ہے۔ اور وہاں سے بنکوں اور کمپنیوں وغیرہ کے حصہ داروں، کھاتہ داروں، امانت داروں اور بیمہ داروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ ہے سرمائے کی اور سود یا منافع کی گذرگاہ۔ اور سرگذشت۔ غور فرمایئے کیا یہ بات ظاہر نہیں کہ آج کل کے بنکنگ سسٹم میں تجارتی سود یا منافع بھی دراصل حاجتمندوں اور ناداروں سے ہی وصول کیا جاتا ہے۔

اب ہم زمانہ جاہلیت کے حاجتمندانہ قسم کے قرضوں کے سود اور جدید بنکنگ کے کمرشل انٹرسٹ یعنی تجارتی سود یا منافع کا مقابلہ کر کے دیکھتے ہیں تاکہ حقیقت حال کی مزید وضاحت ہو جائے۔

مذکورۂ بالا تجزیہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے ربوٰ (سود) جس کو مسلمہ طور پر قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے اور آج کل کے تجارتی سود یا منافع میں اپنی کیفیت و ماہیت اور رواج کے اعتبار سے سرمو فرق نہیں ہے۔ وہ بھی ناداروں اور حاجت مندوں سے لیا جاتا تھا۔ یہ بھی ناداروں اور حاجتمندوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ وہ سود خور بھی بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی میں شریک ہو جاتا تھا اور آج کل کا سود یا منافع خور بھی بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی میں شریک ہو جاتا ہے۔ پرانے وقت میں سود خور سود و ہندہ کو مفلسی اور ناداری میں گرفتار رکھتا تھا۔ جدید سود خوری سسٹم نے بھی ناداروں حاجتمندوں کا مستقل طبقہ ہی مفلسی و ناداری میں گرفتار کر رکھا ہے۔

پرانے سودی سسٹم اور جدید سودی سسٹم میں فرق صرف طریق کار کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس وقت کا سود خوار منفرد تھا اور سود دہندہ کے ساتھ اس کا براہِ راست سودی لین دین ہوتا تھا جو صاف دکھائی دیتا تھا۔ آج کل کا سود خور متحد اور منظم ہے اور سود دہندہ کے ساتھ اس کا براہِ راست بالکل کوئی تعلق نہیں ہے۔ سود خور اور سود دہندہ کے درمیان حکومتیں، بنک،

کمپنیاں اور ادارے واسطہ بنے ہوئے ہیں۔ اور حقیقت حال سطحی نگاہ سے بالکل اوجھل ہے۔ پرانے وقتوں کا سود خور اپنا سرمایہ سود دہندہ کے حوالے کر کے اس کا سود وصول کرتا تھا لیکن آج کل کے سودی سسٹم میں سود خور کا سرمایہ خاص تنظیم کی تحویل میں رہتا ہے اور محض عارضی طور پر زیر نگرانی صرف کام کرنے کے لیے نادار حاجتمند سود دہندہ کے حوالے کیا جاتا ہے اور اس سے اس سرمائے کا سود وصول کر لیا جاتا ہے۔ گزشتہ زمانے کا سود خوار اکثر اپنے سرمائے کا ہی سود کھاتا تھا۔ لیکن دور جدید کا سود خور اپنے بنک اور کمپنی کی مقناطیسی قوت سے گھر گھر سے سرمایہ کھینچ کر اس کا سود ہضم کر جاتا ہے۔ پرانے وقت میں صرف اکیلا سود خور ہی حاجتمند سے سود کھاتا تھا۔ لیکن جدید سودی سسٹم میں اصل سود خور اور سود دہندہ کے درمیان بہت ادارے واسطہ بنے ہوئے ہیں۔ وہ سب سود (منافع) دہندہ کے زیر سود میں سے اپنا اپنا حصہ لیتے چلے جاتے ہیں۔ لہذا سود اور منافع دہندہ کو سود اور منافع کا کافی زیادہ بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مفلسی اور ناداری میں گرفتار چیختا چلاتا رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا مروجہ نظام معاشیات کا تجزیہ کرنے سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر نہیں ہو جاتا کہ پرانے زمانے کی منفرد، غیر متحد اور غیر منظم سود خوری آج کل ایک زبردست متحد منظم اور باضابطہ نظام معاشیات کی صورت اختیار کر کے ہم پر مسلط ہو چکی ہوئی ہے۔ اور ہم اسلامی نظام معاشیات اور اسلامی روح تعلیم اور تصور حیات سے بہت دور نکل آئے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مروجہ نظام معاشیات سراسر اکل الربوٰ (سود خوری) کے اصول پر مبنی ہے الربوٰ (سود) جس کی حرمت پر سب علماء متفق ہیں اپنی کیفیت و ماہیت اور روح کے اعتبار سے ایک ہی قسم کا ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں الربوٰ کی کسی دوسری قسم کا ذکر نہیں۔ الربوٰ (سود) کا بوجھ اصولاً ہمیشہ نادار حاجتمند پر ہی پڑتا ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی مختلف ہاتھوں میں سے گزرے اسی لیے قرآن کریم میں اس کا ذکر تاداروں اور حاجتمندوں کے ضمن میں آیا ہے۔ مروجہ نظام معاشیات اگر تبدیل ہو گا تو تمام کا تمام اور اگر قائم رہے گا تو بعینہٖ۔ اس کے کسی ایک پہلو میں سے سود یا منافع وغیرہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں وقتاً فوقتاً اس سودی نظام کی بعض برائیوں کی شدت کو عارضی طور پر کم کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس نظام کے طبعی رجحان کی وجہ سے وہ برائیاں عود کرتی رہتی ہیں اور معاشرے میں بے چینی بے اطمینانی اور باہمی کش مکش باقی رہتی ہے جو صرف

اسلامی نظامِ معاشیات کے قیام سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ اور اسلامی معاشیات وہی ہو سکتا ہے جس میں سود کلیتہً ختم اور نظامِ زکوٰۃ رائج ہو۔ (بہ شکریہ "تعمیر" راولپنڈی)

کمرشل انٹرسٹ یا تجارتی سود

مصنفہ محمد جعفر شاہ پھلواروی

ہمارے معاشرے میں کمرشل انٹرسٹ یا تجارتی سود کا مسئلہ عرصۂ دراز سے لاینحل چلا آرہا ہے اور اہل علم کو ادھر توجہ کرنے کی نوبت ہی بہت کم آئی ہے۔ اور یہ مسئلہ ہے بھی بہت نازک۔ کیونکہ ایک طرف سود و ربا حرام ہے اور دوسری جانب ہر ملک کا کاروبار اسی پر چل رہا ہے۔ اس کتاب میں اس مسئلہ کے تمام نازک ترین گوشوں پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

اسلام کا معاشی نظریہ

پروفیسر محمد مظہر الدین صدیقی

عہد جدید کے معاشی مسائل پر اسلام کے ان بنیادی اور دائمی اصولوں کا اطلاق کرنے کی ایک کامیاب کوشش جن پر عہد رسالت کے تفصیلی اور فروعی احکام مبنی تھے۔ صفحات ۱۰۹۔ قیمت ۱۲/۱ روپے

مسئلۂ زمین اور اسلام

پروفیسر محمود احمد

زرعی مسائل کا صحیح حل پاکستان کی سیاسی اور معاشی زندگی کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے لیکن اس کے باوجود ان مسائل کو قوم نے نظر انداز کیا ہے یا غلط انداز سے ان پر بحث کی ہے جو گمراہ کن ہے۔ اس بہت بڑے خلا کو پورا کرنے کی یہ ایک سعی بلیغ ہے۔ صفحات ۲۳۴۔ قیمت ۴/۴ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور